بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

# فراہی سیمینار

اشتیاق احمد ظلی

انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح نے ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کی حیات وافکار پر ایک سہ روزہ سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔ یہ سیمینار ۸-۱۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو مدرسۃ الاصلاح پر منعقد ہوا۔ اس کے انعقاد کو اب ایک اچھی خاصی مدت گذر چکی ہے لیکن اس سے وابستہ خوش گوار یادیں ابھی تک ویسے ہی تازہ ہیں، تین دنوں پر محیط مجالس علم ودانش کی عطر بیزیوں سے مشام جان ہنوز معطر ہے اور اس کے علمی فیوض وبرکات کا سلسلہ برابر جاری ہے اور اب یہ توقع ہو چلی ہے کہ یہ تقریب سعید فکر فراہی کے تعارف واشاعت کے باب میں ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر جائے گی اور اس سلسلہ کے نامکمل کاموں کی تکمیل کی کچھ صورت پیدا ہو جائے۔ ان شاء اللہ

مدرسۃ الاصلاح کی وادی غیر ذی زرع میں برپا ہونے والی یہ سادہ سی تقریب اتنی یادگار، پُر وقار، خوبصورت اور روح پرور بن جائے گی اس کا اندازہ تو شائد کسی کو بھی نہیں تھا۔ مدرسہ کی زندگی ناقابلِ یقین حد تک سادہ اور تکلفات سے عاری ہے اور پھر وہاں اس وسیع پیمانے پر اس نوع کی کسی تقریب کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ وہاں کے حالات، بنیادی سہولیات کے فقدان اور وسائل کی کمی کو دیکھتے ہوئے منتظمین بجا طور پر سراسیمہ تھے کہ ان حالات میں ملک اور بیرون ملک سے آنے والے دانش وروں کے لیے مناسب بود وباش کا انتظام کیوں کر ہو سکے گا۔ لیکن جب وقت آیا تو منتظمین سیمینار، ذمہ داران ووابستگان مدرسہ اور ہمدردوں اور بہی خواہوں کی مخلصانہ مساعی اور انتھک کوششوں نے چند دنوں کے لیے اس ویرانے کے زمین وآسمان کو بدل کے رکھ دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لیے اس سرزمین نے گل بوٹوں کا پیرہن زیب تن

کرلیا ہو۔ ذرے ذرے میں بلا کی رونق و جاذبیت سمٹ آئی اور سارا ماحول صبح امید کی طرح روشن و تابناک ہو گیا اور لطف یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے اور غیر محسوس طور پر انجام پا رہا تھا کہ کسی بھاگ دوڑ اور افراتفری کا احساس نہ ہو۔ اس منظر نامہ کی ترتیب و تزئین میں سب سے اہم کردار مدرسۃ الاصلاح کے طلبہ و اساتذہ کا تھا جنہوں نے اس تقریب کو کامیاب بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیا اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص شامل حال تھا جس نے اپنی کتاب کے ایک خادم کے نام پر ہونے والی اس تقریب کو اتنی کامیابی اور قبولِ عام سے نوازا اور اس کے انتظامات میں اتنی برکت عطا فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ سادگی اور حسن سلیقہ کا ایسا امتزاج کم دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ہمارے مدارس میں ایسی صلاحیتیں رکھنے والے افراد موجود ہیں۔

اس سیمینار کی ایک خصوصیت یہ سامنے آئی کہ اس سے متعلق جتنی رپورٹیں اب تک شائع ہو چکی ہیں اتنی شاید ہی کسی سیمینار کے متعلق شائع ہوئی ہوں۔ تا دمِ تحریر ملک اور بیرونِ ملک کے جرائد و مجلات میں ۲۵ رپورٹیں اس سیمینار کے مختلف پہلوؤں کے متعلق شائع ہو چکی ہیں۔ ان رپورٹوں میں سیمینار کی کارروائیوں کا مختلف جہات سے جائزہ لیا گیا ہے اور متفقہ طور پر اسے ایک کامیاب اور یادگار سیمینار قرار دیا گیا ہے۔ اب ان رپورٹوں کے بعد اس بات کی مزید ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی کہ یہاں سیمینار کی کارروائی کا کوئی باقاعدہ جائزہ لیا جائے۔ البتہ اس کے بعض نمایاں پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے کا جواز غالباً ابھی باقی ہے خصوصاً اس لیے بھی کہ سیمینار کے بعد علوم القرآن کا شائع ہونے والا یہ پہلا شمارہ ہے۔

میرے خیال میں اس سیمینار کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ اسے اصحابِ فکر و دانش کے کسی خاص دائرہ میں محدود کرنے کے بجائے شعوری طور پر اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ اس موقع پر مختلف خیالات و نظریات رکھنے والے اہلِ علم کو جمع کیا جائے اور ان کی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ مختلف نقطہائے نظر کے حامل دانش وروں نے اس سیمینار میں شرکت کی اور فکرِ فراہی کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کی وجہ سے سیمینار کی افادیت میں بہت اضافہ ہوا اور اس کی رنگارنگی اور بوقلمونی میں چار چاند لگ گئے۔ اس لحاظ سے بلاشبہ یہ

ایک منفرد اجتماع تھا۔

اس سیمینار کی دوسری بڑی خصوصیت اس کی کارروائیوں کے دوران آزادی رائے کا احترام تھا۔ یہ سیمینار مدرسۃ الاصلاح میں ہو رہا تھا اور اس کا موضوع وہ شخصیت تھی جو اس ادارہ کی فکری موسس ہے اور جس نے اپنی عمر عزیز کے آخری دس سال سے زیادہ کا عرصہ اس کی تعمیر و ترقی اور اس کے اندر وہ مخصوص مزاج پیدا کرنے میں صرف کیا جو اس کی شناخت اور نشان امتیاز ہے۔ فطری طور پر وابستگان مدرسہ کو اس ذات گرامی سے بڑی عقیدت و محبت ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئیے کہ اس مدرسہ کے نظام تعلیم و تعلم میں آزادی رائے کا بڑا احترام کیا گیا ہے اور وہاں کسی سے اختلاف رائے کو اس کے لیے جذبہ احترام میں کمی پر محمول نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اختلاف رای کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جاتا ہے۔ اس صحتمندانہ علمی روایت کا بھرپور مظاہرہ اس سیمینار کے دوران ہوا۔ مقالات سیشن اور وقفہ سوالات کے دوران مولانا فراہیؒ کے نظریات و خیالات پر جس طرح کھل کر تنقید کی گئی اس میں بعض اوقات حدود کا پاس بھی جاتا رہا لیکن سامعین نے جن کی غالب اکثریت وابستگان مدرسہ اور عقیدت مندان فراہی سے تعلق رکھتی تھی، یہ سب کچھ جس کشادہ جبینی سے سنا اور معروضیت اور آزادی رائے کا احترام جس انداز میں کیا وہ قابل تعریف بھی ہے اور قابل فخر بھی۔

اس سیمینار کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مقالہ نگاران اور شرکار سیمینار کے علاوہ بڑی تعداد میں شائقین اس کے جملہ پروگراموں میں موجود رہے اور کسی بھی مرحلہ میں اس میں نہ تو کوئی کمی آئی اور نہ ہی کسی اکتاہٹ کا کوئی مظاہرہ ہوا۔ ذوق و شوق کا عالم آخر تک ویسے ہی قائم رہا جیسا کہ افتتاحی اجلاس میں تھا۔ وسیع ہال میں بڑے پیمانے پر نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا لیکن یہ بھی یکسر ناکافی ثابت ہوا اور کوئی بھی وقت ایسا نہ رہا ہوگا جب لوگ اچھی خاصی تعداد میں ہال کے مختلف حصوں میں کھڑے ہوئے نہ پائے گئے ہوں۔ سارے پروگرام اسی انہماک سے سنے گئے اور جب سیمینار اپنے اختتام کو پہونچا تو بجائے اس کے کہ لوگ تین دنوں کی مسلسل مصروفیت کے بعد سکون کا سانس لیتے عام طور پہ احساس رہا کہ ابھی تو جی سیر بھی نہ

ہوا تھا اور یہ جنت نگاہ اور فردوس گوش اپنے اختتام کو پہونچ گئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

---

ملک کے مختلف علمی مراکز سے بڑی تعداد میں دانش ور اس سیمینار کو رونق بخشنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ بیرونِ ملک سے بھی کسی حد تک نمائندگی ہوگئی تھی۔ لیکن مولانا فراہی کے شاگرد رشید اور فکر فراہی کے شارح اور ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی کمی اس موقع پر بہت شدت سے محسوس کی گئی۔ ان کے انتظار میں سبھی آنکھیں فرشِ راہ تھیں۔ گو یہ پہلے ہی سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اس پروگرام میں شریک نہ ہوسکیں گے لیکن اس سے احساس محرومی کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اگر وہ آسکے ہوتے تو اس بزم علم و دانش کی رونق وافادیت دوچند ہوگئی ہوتی اور کتنے ہی مشتاقان دید شادکام و بامراد ہوگئے ہوتے۔

فراہی سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ اور اس کی ابتدائی تیاریاں مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی رح، صدر انجمن طلبہ قدیم مدرستہ الاصلاح، کی زیرِ نگرانی انجام پائی تھیں لیکن اس میں ان کی شرکت مقدر نہ تھی اور وہ اس کے انعقاد سے پہلے ہی اپنے خالق سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ انجمن طلبہ قدیم کے اندر جو حرکت اور اقدامیت پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں اس سیمینار کا انعقاد ممکن ہوسکا، اس میں مولانا کی قیادت و رہنمائی کا بڑا دخل تھا۔ اس موقع پر مولانا کے ساتھ مولانا عبدالمجید صاحب ندوی رح، سابق صدر مدرس مدرستہ الاصلاح، کی کمی کو بھی بہت محسوس کیا گیا جو چند ماہ قبل ایک حادثہ میں شہید ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

---

اس سیمینار سے بجا طور پر یہ توقع کی گئی تھی کہ یہ فکر فراہی کے بہتر تعارف اور اس کی توسیع واشاعت کے سلسلہ میں ایک قوی محرک ثابت ہوگا۔ اب سیمینار کے انعقاد کے اتنے دنوں بعد اور پوری صورت حال کو دیکھتے ہوئے بلاتردد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کے

نتیجہ میں فکر فراہی کا حلقۂ تعارف بڑھا ہے اور مولانا فراہیؒ کی علمی، فکری اور اصلاحی خدمات کے سلسلہ میں مزید واقفیت حاصل کرنے کی خواہش اور اس کے لیے کوشش میں واضح طور پر اضافہ ہوا ہے۔ اس کی دوسری برکت یہ سامنے آئی کہ حاملین فکرِ فراہی کے اندر مولانا کے علمی اور فکری ورثہ کو دنیا علم و دانش تک پہونچانے کے سلسلہ میں اپنی بنیادی ذمہ داری کا احساس بیدار ہو گیا ہے۔ اسی احساس کے تحت جہاں سمینار کے لیے اور بہت سی تیاریاں کی گئیں وہیں مولانا کی ان کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا جو ایک مدت سے نایاب ہیں اور اس طرح فراہیات کے میدان میں ایک بڑی ضرورت کی تکمیل کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ فکرِ فراہی کے سلسلہ میں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اہل علم کو اس سے دلچسپی نہیں ہے یا وہ اس کی افادیت کے قائل نہیں ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مولانا فراہی کا فکر اور ان کا تیار کردہ عظیم الشان قرآنی لٹریچر عام پڑھے لکھے لوگوں تک پہونچنے پہونچانے کا معاملہ تو الگ رہا بیشتر اہل علم کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ جو کتابیں کبھی شائع ہوئی تھیں اب وہ نایاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال کو نصف صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ ان کا فکر اپنی پوری توانائی اور حیات کش امکانات کے ساتھ سامنے نہیں آسکا ہے بلکہ پوری صورت حال سامنے نہ ہونے کی وجہ سے بعض حلقوں میں ایسی ایسی غلط فہمیاں راہ پاگئی ہیں جنہیں دیکھ اور سن کر ع خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے۔ اس تناظر میں مولانا کی کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ ایک بروقت اور خوش آئند فیصلہ ہے۔

اس سلسلہ میں شائع ہونے والی پہلی کتاب حسب توقع مولانا کے تفسیری اجزاء کا مجموعہ تھا۔ جیسا کہ معلوم ہے مولانا کی تقریباً جملہ تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ دوسری بہت سی کتابوں کی طرح تفسیری اجزاء کو بھی مولانا امین احسن اصلاحی نے اردو میں منتقل کیا تھا۔ یہ دائرہ حمیدیہ سے مختلف اوقات میں الگ الگ شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور اب ایک مدت سے نایاب ہیں۔ پاکستان میں یہ اجزاء 'مجموعہ تفاسیر فراہی' کے نام سے کئی بار شائع ہو چکے ہیں اور متداول ہیں۔ دائرہ حمیدیہ نے پہلی بار اسے ایک مجموعہ کی صورت میں 'تفسیر نظام القرآن' کے نام سے شائع کیا جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔ اسی طرح قرآن فہمی کے سلسلہ میں مولانا کی تین بنیادی کتابیں: دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل اور اسالیب القرآن کو 'رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن'

کے نام سے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا فراہی کے قرآنی فکر کو سمجھنے کے سلسلہ میں ان رسائل کی اہمیت سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے ادارہ علوم القرآن نے دو اہم کتابیں شائع کیں۔ 'قرآنی مقالات'، ماہنامہ الاصلاح میں شائع ہونے والے منتخب قرآنی مضامین کا مجموعہ ہے اور 'کتابیاتِ فراہی' مولانا فراہی کی شخصیت اور افکار کے بارے میں مستند کتابیاتی مواد فراہم کرتی ہے۔ فراہی شناسی کے سلسلہ میں اس کتاب کی اہمیت خود اس کے نام سے ظاہر ہے۔

یہ بات مزید اطمینان اور مسرت کی باعث ہے کہ اس سیمینار کی نسبت سے شروع ہونے والے علمی فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ اس وقت مولانا کی شہرۂ آفاق تصنیف 'الرای الصحیح فی من ہو الذبیح' طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کے علاوہ 'جمہرۃ البلاغۃ' اور 'امعان فی اقسام القرآن'، طباعت کے لیے تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں۔ اور ان کی جلد اشاعت کی توقع ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور مولانا کی وہ تمام کتابیں جو اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں اور اب دستیاب نہیں ہیں ان کے محقق ایڈیشن دوبارہ شائع کیے جائیں گے اور جو کتابیں ابھی تک شائع نہیں ہو سکی ہیں ضروری تحقیق و تدوین کے بعد ان کی اشاعت کا بھی جلد اہتمام کیا جائے گا یہ بڑا گراں قدر علمی سرمایہ ہے اور اسے اہلِ علم تک پہونچانا حاملین فکر فراہی کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔

مولانا کا دائرہ کار بہت وسیع تھا اور وہ بیک وقت بہت سے منصوبوں پر کام کرتے تھے۔ قرآنیات پر بنیادی لٹریچر فراہم کرنے کے علاوہ ان کے سامنے علوم اسلامی کی تطہیر اور تدوین جدید کا جو عظیم الشان نقشہ کار تھا اس کے پیشِ نظر یہی ایک قابلِ عمل صورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے مکمل تصنیفات کے علاوہ بہت سے ناتمام مسودے اپنے پیچھے یادگار چھوڑے ہیں جن کی تفصیل 'علوم القرآن'، کے گذشتہ شمارہ میں آچکی ہے۔ ان میں سے متعدد بے حد اہم مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضرورت تو دراصل اس بات کی ہے کہ مولانا کے فراہم کردہ خطوط کی روشنی میں ان مباحث کی تکمیل کی جائے اور پھر انہیں شائع کیا جائے۔ لیکن اگر سر دست یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم آئندہ نسلوں کے لیے اس علمی خزانے کی حفاظت کی کوئی صورت ضرور ہونی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ آج نہیں تو کل ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

۳۰ر جون ۱۹۹۲ء